سنہ ۱۹۲۳ء

میرا سب سے پہلا مرثیہ

جس میں پہلی بار اصلاح قوم اور تعمیر ملت کے رجحانات (جو حیثیت ای رُت میں) شامل مرثیہ کیے گئے

تجھ میں اے باغِ وطن اب گلِ خوش رنگ نہیں　　کس روش پر گل و بلبل میں یہاں جنگ نہیں
تن پہ کس غنچے کے ہستی کی قبا تنگ نہیں　　ٹملتے ہیں وہی ماضی کے وہ ادرنگ نہیں
آنکھ باوصف تکدر جدھر اُٹھ جاتی ہے
فقر کی شاہیِ بے ملک نظر آتی ہے

ہائے کیسی یہ ہوا میرے گلستاں میں چلی　　کوئی بے داغ شگوفہ ہے نہ گل ہے نہ کلی
ہر طرف بے عملی بے عملی بے عملی　　دھوپ بھی سرد مزاجی کے بے سانچے میں ڈھلی
تھا جو سرمایۂ اسلاف وہ سب کام آیا
آفتاب آج ریاست کا لبِ بام آیا

میں ہوں یا اور جوانانِ فہیم و عاقل　　علم و فن کے ہیں نہ طالب نہ ہنر پہ مائل
سب کے سب کسبِ معیشت کی طرف سے غافل　　ہیں فقط ایک فنِ بے ہنری میں کامل
جورِ گردوں کے ستائے ہوئے فریاد میں ہیں
یہ وہ مظلوم ہیں جو عدل[1] کی اولاد میں ہیں

از رہِ نام و نسب ہیں نقوی اور تقوی　　ماشاء اللہ کوئی ان میں غبی ہے نہ غوی
جودتِ فکر کو ذہنوں سے ہے وہ ربطِ قوی　　قافیے کے لیے جس طرح ضروری ہے روی
کسبِ روزی کا مگر نام نہیں لیتے ہیں
چیز موجود ہے اور کام نہیں لیتے ہیں

پختہ کاروں کے سُنے کوئی خیالات یہ خام　　دستکاری کو تجارت کو سمجھتے ہیں حرام
کوئی پوچھے جو سبب، کہتے ہیں یہ بر سرِ عام　　شانِ سادات کے شایاں نہیں یہ ادنیٰ کام
جیتے جی اب تو یہ آثار ہیں سب مرنے کے
فاقے کر لیں گے، مگر کام نہیں کرنے کے

---

[1] میر عدل جو دورِ اکبر اعظم میں سندھ کے قاضی اور سادات امروہہ کے مورث تھے۔

ان غیوروں کو یہ سمجھائے کوئی عزت دار
جو کبھی فن شرع کی حد میں ہو نہیں موجب عار
جد ہمارے جو براہیم نہ ہوتے معمار
کون پھر خانۂ کعبہ کی اٹھاتا دیوار
ہیزم خشک کلیم صمدی چنتے تھے
نوح نجار تھے، داؤد زرہ بنتے تھے

دور کیوں جاؤ چلو احمد مختار کے گھر
آب پاشی کا کیا کام علی نے دن بھر
جَو، جو اجرت میں ملے گھر میں وہ لائے حیدر
فاطمہ نے انہیں کس شوق سے پیسا اٹھ کر
حیف شرم آئے ہمیں محنت و مزدوری سے
آسیا فخر کرے جس پہ وہ چکی پیسے

جو بزرگ آئے ہیں مجلس میں کریں مجھ کو معاف
میرا کیا منہ ہے جو اک حرف کہوں ان کے خلاف
زندگی داغِ تصنع سے رہی ان کی صاف
وقت و ماحول کی دمساز، زروئے انصاف
مختلف ان سے ہمارا ہے فسانہ کچھ اور
اور تھا ان کا زمانہ، یہ زمانہ کچھ اور

ان کے وقتوں میں تفوق تھا زمینداری سے
آج عزت ہے جوانمردی و پُرکاری سے
عصرِ نو آتا ہے کس دھوم کی تیاری سے
دن تو دن رات کبھی غافل نہیں بیداری سے
فکر ماضی کی، سوئے ملکِ عدم جاتی ہے
لے کے پیغام خزاں تازہ بہار آتی ہے

تھرتھراتے ہیں قدامت کے فلک بوس محل
گھر کے آئے ہیں تجدّد کے بھیانک بادل
سنبھل اے رہروِ گم گشتۂ ایام سنبھل
ہر قدم اک نئی آفت ہے ذرا دیکھ کے چل
چھپ کے بیٹھا ہے تری گھات میں دشمن تیرا
کہیں کانٹوں میں الجھ جائے نہ دامن تیرا

سیلِ آفات کی زد میں ہے نظامِ ہستی
خونِ اوہام سے لبریز ہے جامِ ہستی
من چلے شیروں کا طالب ہے دوامِ ہستی
موت کے ہونٹوں پہ ہے آج پیامِ ہستی
وہی زندہ ہے جو کچھ کام یہاں کر جائے
اس میں مرنے کی ضرورت ہو تو پھر مر جائے

سہل ہے اس کے لیے منزلِ سنگینِ حیات — جس کے قدموں کی ودیعت ہو پہاڑوں کا ثبات
شعلۂ غم سے فقط، موجبِ تکمیلِ صفات — آگ میں تپ کے نکھر جاتی ہے فولاد سی دھات

جی گیا وہ جو قتیلِ غمِ ایام ہوا
کام سے کام رہا، کام ہوا، نام ہوا

عالمِ نزع میں ہے ماضی و حاضر کا نظام — زیرِ شمشیر تڑپتی ہوئی دنیا کو سلام
دامنِ کلفت وغم میں ہے دوامی آرام — شبِ تاریک کے ہونٹوں پہ سحر کا ہے پیام

روح کو خواب سے بیدار کریں گے ہم بھی
عزم اور عزم علمدار کریں گے ہم بھی

یہ اگر سچ ہے کہ ماضی ہے متاعِ عزت — کم نہیں اپنی روایاتِ کہن کی عظمت
سببِ ناز مورخ کو ہماری مدحت — ہم نے تاریخ کو بخشی ہے دوامی شہرت

ہم ہیں اصنام کی ہستی کے مٹانے والے
ہم ہیں چولیں درِ خیبر کی ہلانے والے

ہم ہیں عرفان و حقیقت کے پرستاروں میں — کلمہ ہم نے پڑھا تیغوں کی جھنکاروں میں
سر جھکایا نہ کبھی ظلم کے درباروں میں — انتہا یہ کہ چنے بھی گئے دیواروں میں

سبز یہ باغ ہوا ذوقِ نمو سے اپنے
ہم نے اسلام کو سینچا ہے لہو سے اپنے

بن کے سیلاب جو پھر یوں رہِ ہستی ہیں رواں — غرق ہو ظلم کا بیڑا وہ تلاطم ہو عیاں
ہاں دلیرو وہ تمہیں گھور رہا ہے طوفاں — جس کے سینے پہ ہیں قوموں کے سفینے لرزاں

اک تھپیڑا جو کہیں دو، ابھی پتواروں کا
پھر کے رہ جائے گا منہ بپھرے ہوئے دھاروں کا

اب اسی قوم کے جم سکتے ہیں میداں میں قدم — جز خدا غیر کی ڈیوڑھی پہ نہ سر جس کا ہو خم
ولولہ دل میں ہو اور دوش پہ ہمت کا علم — قوتِ بازوئے عباس دلاور کی قسم

امتحاں لاکھ ہوں، پروا دمِ پرواز نہیں
کربلا زندہ حقیقت ہے کوئی راز نہیں

کربلا دور نہیں تم سے ، اٹھاؤ تو نظر — کربلا سامنے موجود ہے ، دیکھو تو اُدھر
وہ شبیں ظلم و ستم کی وہ بھیانک منظر — سہما سہما سا وہ جھرمٹ میں ستاروں کے قمر
چاندنی زرد تھی گردوں کی ردا کالی تھی
شام کے اتنے تھے لشکر کہ فضا کالی تھی

مضطرب سی تھی جو ہر چیز تو خاموش سی رات — ڈر کے لپٹی ہوئی ساحل سے ہر اک موج فرات
زعم کثرت میں وہاں مست سپاہ بدذات — یاں اقلیت پُرعزم اور اللہ کی ذات
بہمہ خیل و حشم خوف اُدھر طاری تھا
ہر جوانمرد ہزاروں پہ اِدھر بھاری تھا

محو، سامان وغا میں تھا اُدھر لشکر شوم — حق پہ نازاں اِدھر انصار امام مظلوم
اُن میں کچھ ایسے جنھیں راز مشیت معلوم — بعض وہ بھی جو رہے نصرت حق سے محروم
شوق سے چند ہی تیغوں کے تلے آئے تھے
وہ ہزاروں تھے جو بے عزم چلے آئے تھے

منحصر فتح جو کثرت پہ سمجھتے شبیر — خود نہ کہتے کہ پلٹ جائے یہ سب جم غفیر
روز ہفتم سے کئی بار یہی کی تقریر — دوستو یاں مری گردن پہ چلے گی شمشیر
تم نہ مقتل میں رکو خون میں بھرنے کے لیے
ہم یہاں آئے ہیں اسلام پہ مرنے کے لیے

ہم کو درپیش ہے بن میں سفر ملکِ عدم — تم عبث ہوتے ہو غربت میں گرفتار الم
تھی شب قتل کہ یہ صاف کہا دے کے قسم — اب تو جاؤ کہ شفاعت کے ہوئے ضامن ہم
گو ہمارے لیے یہ رات ہے معراج کی رات
تم سبکدوش ہو بیعت سے مگر آج کی رات

ساتھیوں سے یہی ہر دم جو کیا شہ نے کلام — چھوڑ کر دشت کو جاتے رہے لشکر کے عوام
رہ گئے قتل کی شب چند جو تھے خاص غلام — دور پہنچے وہ سحر تک جو چلے تھے سر شام
نہ وہ جمگھٹ نظر آئے نہ وہ لشکر نکلے
دن جو نکلا تو کُل انصار بہتر نکلے

رخ سے آنچل جو ہٹانے لگی سلمائے سحر　　اختر سعد نے چوما رُخ زیبائے سحر
شکل خورشید میں ابھری جو تمنائے سحر　　چشم کونین ہوئی محو تماشائے سحر
چھوڑ کر اہل زمیں بستر خواب اٹھنے لگے
آنکھیں ملتے ہوئے دریا میں حباب اٹھنے لگے

شانہ مہر نے سلجھائے جو گیسوئے سحر　　تاج زریں سے ضیا بار ہوا روئے سحر
شاخ گل کی وہ کجی زینت ابروئے سحر　　مشکِ شب جس سے ہو کافور وہ خوشبوئے سحر
خاک پر پھول کھلے چرخ پہ تارے ڈوبے
باغ پر اُس کے پڑی اوس، ستارے ڈوبے

آئی گلشن میں لہکتی جو نسیم سحری　　پھول پھولے نہ سمائے، ہوئی ہر شاخ ہری
چاندنی اٹھی تو غنچوں نے کیا فرش زری　　نور پھیلا کوئی چمکا جو عقیقِ شجری
شجر طور کا ہر نخل میں جلوا دیکھا
دور سے چھپ کے ستاروں نے تماشا دیکھا

وہ ہر اک موج ہوا کاکل پیچانِ بہار　　طوق وہ قمریوں کے حلقۂ زندانِ بہار
وہ ترانے وہ ترنگیں وہ سخندانِ بہار　　وہ مزہ وہ نمکینی وہ نمکدانِ بہار
سبز پتوں میں شگوفہ یہ نیا تو دیکھو
حسن میں ان کے نمک ہے یہ مزا تو دیکھو

سحر نور فشاں کو رُخ لیلا کہیے　　مہر کو طالع لیلا کو ستارا کہیے
شفق سرخ کو خون دلِ شیدا کہیے　　کانپتا کہتا ہے مجنوں کا کلیجا کہیے
خوب لیلا نے دل عاشقِ شیدا کھینچا
خون دل بھی نکل آیا جو کلیجا کھینچا

اختلاط گل و بلبل جو طبیعت پہ ہے بار　　ہے سناں تانے ہوئے پہلوئے گل میں ہر خار
اک نیا فوج دفاعی کا ہے دستہ تیار　　پھول باندھے ہوئے بیٹھے ہیں گلابی دستار
نگراں دیدۂ نرگس ہے جو ہشیاری سے
گل عباس ہے ممتاز علمداری سے

اک طرف محو دعا نخل کی شاخیں ہیں گھنی　　اک طرف محو عبادت ہیں امام مدنی
جیسے پھولوں کی عنادل پہ ہے ناوک فگنی　　یوں ہی تیروں کا نشانہ ہے ہر اک پنجتنی
ہائے اُٹھنے کی مصلے سے نہ مہلت پائی
ابھی پڑھتے تھے تشہد کہ شہادت پائی

صبح تک تھے گل گلزار نبی زیب جہاں　　دن نکلتے ہی چمن میں تھا قیامت کا سماں
باغ پامال ہوا چلنے لگی بادِ خزاں　　شہ کی ہمشیر تھیں بلبل کی طرح محو فغاں
یوں خزاں شاہ کے گلشن کی فضا لوٹ گئی
آنکھیں بے نور ہوئیں غم سے کمر ٹوٹ گئی

خلق میں چھوڑ گئے طفل کہانی اپنی　　لے گئے ساتھ مُسن سب ہمہ دانی اپنی
نوجواں دے گئے غم شہ کو نشانی اپنی　　لے گئے نذر الٰہی کو جوانی اپنی
قتل سب ہو گئے بیٹا نہ کوئی بھائی ہے
شاہ ہیں فرقت احباب ہے تنہائی ہے

زیر پا جلتی ہوئی ریت ہے سر پہ خورشید　　اف رے گرمی کہ قیامت کی بھی گرمی سے مزید
شہ کا ملبوس دہکنے لگا مانند حدید　　محو ہیں یادِ الٰہی میں مگر شاہِ شہید
دل کی بڑھتی ہے تپش شکر خدا کرتے ہیں
دم بدم بخشش امت کی دعا کرتے ہیں

ایسی گرمی میں جو مولا کو نہ مضطر دیکھا　　جل کے شیطان نے سوئے سبط پیمبر دیکھا
کبھی سورج کی طرف گہہ سوئے سرور دیکھا　　گاہ دل شہ کا گہے لاشہ اکبر دیکھا
دل میں سوچا کہ بڑا کام بنایا شہ نے
آج امت کو جہنم سے بچایا شہ نے

تب یہ اللہ سے کہنے لگا جل کر وہ لعیں　　آج کی دھوپ قیامت سے تو کچھ بڑھ کے نہیں
قابلِ فخر تو اس وقت ہے صبر شہ دیں　　راست جب جانب گیتی ہو رُخ مہر مبیں
تپش مہر بھی ہفتاد گنا بڑھ کر ہو
رخ بھی کرنوں کا سوئے دلبر پیغمبر ہو

پھر تو دم بھر میں پھرا مہر کا رُخ سوئے حضور — بڑھ گیا روزِ قیامت سے بھی حدت کا وفور
امتحاں تھا جو شفقِ ازلی کو منظور — ہو گئی ساری فضا گرم مثالِ تنور
دھوپ وہ تھی کہ ہرن دشت میں کالے پڑ جائیں
چھپ گیا آڑ میں سایہ کہ نہ چھالے پڑ جائیں

نہر کا آب ہوا گرم مثالِ تیزاب — گرمیِ حشر کو آ جائے عرق وہ تب و تاب
موجیں ٹکرا گئیں آپس میں جو ہو کر بیتاب — آبلہ پیکرِ آبی میں پڑا شکلِ حباب
ہر حباب لب جو شعلہ فشاں اٹھنے لگا
برف کا دل تو جلا یوں کہ دھواں اٹھنے لگا

منہ نکالا کسی ماہی نے جو حیرانی میں — پھنک گیا جسم ہوا کی شررِ افشانی میں
شل بسمل کے تڑپتی تھی پریشانی میں — پڑ گئے چھالے نہاں پھر ہوئی جب پانی میں
انہیں ٹوٹے ہوئے چھالوں کے نشاں ہیں اب تک
آبلے پشت پہ ماہی کی عیاں ہیں اب تک

وہ حرارت تھی کہ شاخوں پہ ثمر جلنے لگے — آگ کے پھول تھے جن میں وہ شجر جلنے لگے
بلبلیں پھول کے پاس آئیں تو پر جلنے لگے — پڑ گیا پاؤں جو ریتی پہ تو سر جلنے لگے
جل کے دامن میں پہاڑوں کے حجر لال ہوئے
چشمے سوکھے ہوئے سب دیدۂ دجال ہوئے

تیز چلتی تھی ہوا گرم، چلے جیسے تیر — اف نہ کرتے تھے مگر پھر بھی شہِ عرش سریر
دل کو صابر کے جو تڑپاتی تھی یادِ بے شیر — سجدۂ شکر ادا کرتے تھے پیہم شبیر
کوئی اس طرح بھی ہوتا ہے کفیلِ امت
باغ باغ ایسی حرارت میں خلیلِ امت

جتنی بھی ہوتی گئی حدتِ خورشید سوا — اور اتنا ہی شگفتہ ہوا رخ مولا کا
شاہ کے صبر پہ ابلیس لعیں اور جلا — دھوپ بڑھتی گئی حضرت کا پسینہ ٹپکا
کھول کر بندِ قبا آپ نے سینہ پونچھا
زلفیں آراستہ کیں رخ کا پسینہ پونچھا

گو کہ تھا نقطۂ آخر پہ حرارت کا وفور
بھن کے گر جاتے تھے اڑتے تھے ہوا میں جو طیور
لطف پاتے تھے تمازت سے مگر شاہِ غیور
دھوپ ابلیس سے کہتی تھی کہ اے مستِ غرور
دیکھ اس طرح رہِ دوست میں غم سہتے ہیں
نام اس کا ہے وفا صبر اسے کہتے ہیں

عرض کی روحِ امیں سے یہ خدا نے اُس دم
دیکھوں کن آنکھوں سے میں حالت سلطانِ امم
یہ وہی ہیں کہ سدا جن پہ رہے تیرے کرم
ہو اجازت تو ابھی جاؤں سوئے دشتِ ستم
یہ حرارت یہ بدن فاطمہ کے دلبر کا
اپنے شہزادے پہ سایہ میں کروں شہپر کا

یہ سخن سنتے ہی آئی لبِ قدرت سے ندا
ہم بھی راضی ہیں جو راضی ہو وہ راضی برضا
اس کی خوشنودی پہ موقوف ہیں احکام قضا
تم تو واقف ہو یہ مظلوم ہے کس کا بیٹا
مار کر راحت و آرام پہ ٹھوکر جس نے
اپنے قاتل کو دیا شیر کا ساغر جس نے

سن کے یہ روحِ امیں آئے جو باحال خراب
اپنے پر کھول کے سایہ کیا مولا پہ شتاب
خنکی جب ہوئی محسوس ہوئے شہ بیتاب
پانی پانی ہوا دل ہو گئے غیرت سے کباب
سر اٹھایا تو قیامت کا یہ منظر دیکھا
بال کھولے ہوئے جبریل کو سر پہ دیکھا

بولے تیور کو بدل کر یہ شہِ عرش پناہ
جانتے ہو کہ میں ہوں صابرہ کا نورِ نگاہ
یہی گرمی تو ہے سامانِ شفاعت واللہ
جاؤ سدرے پہ ریاضت نہ کرو میری تباہ
جلد ہٹ جاؤ لبوں پر مرا دم ہے بھائی
تم کو خونِ علی اصغر کی قسم ہے بھائی

گر کے قدموں پہ کہا روحِ امیں نے اُس دم
اب تو دیکھے نہیں جاتے مرے مولا یہ ستم
جلد دکھلایئے اب جوہرِ شمشیرِ دو دم
کھینچیے تیغ شباب علی اکبر کی قسم
اس قسم پر یہ ندا آئی کہ اچھا لڑیے
دی اجازت تمھیں نانا نے بھی بیٹا لڑیے

سن کے یہ ہو گئی مظلوم کی حالت تغئیر ۔۔۔ جھوم کر مثل ید اللہ کہی اک تکبیر
ہاتھ قبضے پہ گیا میان سے اگلی شمشیر ۔۔۔ ضعف پیری کا ہوا دام شجاعت میں اسیر
اب تو خوں میری رگوں میں بھی ہے جولاں ساقی
برق وہ شام کے بادل پہ گری، ہاں ساقی

گو کہ ہوں پہلے پہل طالب ساغر ساقی ۔۔۔ پر نہیں تازہ ولایت یہ ثنا گر ساقی
چار پشتیں[۱] مجھے گزریں ترے در پہ ساقی ۔۔۔ آج ہو جائے عطا رزقِ مقرر ساقی
پہلے قابض مرے اسلاف تھے میخانے پر
اب مرا نام ہے کندہ ترے پیمانے پر

بزم پُر نور ہو پھر وادیٔ ایمن کی طرح ۔۔۔ مئے خوش رنگ کی برسات ہو ساون کی طرح
بے چھنی، صاف صفی کے دلِ روشن کی طرح ۔۔۔ پاک بھی ہو بنِ یعقوب کے دامن کی طرح
ماند ہو طور کی بجلی بھی چمک ایسی ہو
گرد ہو عنبر سارا بھی مہک ایسی ہو

جو رگ و پے میں ہے پیوست پلا آج وہ شے ۔۔۔ وہی شے جس کی لگی ہے دل بیتاب کو بے
لے کے دیتا ہوں اب صاف کہ وہ شے ہے مے ۔۔۔ منزلیں جوشِ جنوں کی جو کیا کرتی ہے طے
مست بھی سمجھے ہیں عاقل میں وہ فرزانہ ہوں
ہوش کی حد ترقی ہے کہ دیوانہ ہوں

جام درکار نہ کچھ حاجت پیمانہ ہے ۔۔۔ تیرا میخوار ہر اک رسم سے بیگانہ ہے
کب سے اس بات کی حسرت میں یہ مستانہ ہے ۔۔۔ کہہ دے تو اپنی زباں سے مرا دیوانہ ہے
قدسیو یہ کہیں محروم نہ ہلچل میں رہے
میرا مجنوں ہے یہ فردوس کے جنگل میں رہے

کیا ہوا گر مئے وحدت کی ہوئی جلوہ گری ۔۔۔ ایک ساغر مئے مٹی کب مری شوریدہ سری
نہ بجھی پیاس نہ میکش کی طبیعت ہی بھری ۔۔۔ مے بھی اثنا عشری، میں بھی ہوں اثنا عشری
میرے ساقی ہیں سب اعجاز دکھانے والے
ایک پیمانہ ہے، بارہ ہیں پلانے والے

۱۔ حیدر حسین یکتا، ۲۔ جواد حسین شمیم، ۳۔ جمیل حسین رجبی، ۴۔ قائم رضا قائم، بعد میں نسیم ہوا۔

ایک ساغر سے بھلا پیاس بجھے کیا ساقی
میں تو بارد کے بھروسے پہ ہوں زندہ ساقی
سب سے پہلا ہے نجف میں مرا کیتا ساقی
حسنِ پاک ہیں پھر کرب و بلا کا ساقی

مے بھی ہے جام بھی، قرآں کی طرح دَور بھی ہیں
کربلا والے کے میخانے میں نو اور بھی ہیں

ساقیا آج پلا دے مجھے کوثر سے کثیر
کیوں نہ جی بھر کے پیے رند کہ ساقی ہے امیر
ہیں نبی اور ولی سب ہی ترے در کے فقیر
کوئی کعبہ کا ہے میکش کوئی مے نوشِ غدیر

رند اپنا جو مودت کا پیالہ لائے
مصطفیٰ مہرِ نبوت کا پیالہ لائے

جامِ مکی ہو تو مے بھی مدنی ہو ساقی
دامنِ احمدِ مرسل میں چھنی ہو ساقی
تیرے اپنوں کے لیے لطفِ غنی ہو ساقی
اور بیگانوں کو ہیرے کی کنی ہو ساقی

رند پی کر جو حیاتِ ابدی پی کے مریں
غیر منہ تکتے رہیں، شرم سے کچھ کھا کے مریں

گو یہ میکش ہے بہت پیاس کا مارا ساقی
پھر بھی پینا نہیں اس وقت گوارا ساقی
اب تو صرف اتنا سا کہنے کو پکارا ساقی
دھوپ میں پیاس سے بیدم ہے ہمارا ساقی

سب سے کہتا ہے کہ مرتا ہوں جلا دو مجھ کو
ایک ساغر کوئی پانی کا پلا دو مجھ کو

میں ہوں دلبندِ نبی خلد لٹانے والا
تشنہ کاموں کو قیامت میں چھکانے والا
شیر اور شیرِ الٰہی کے گھرانے والا
لاشِ پیری میں جوانوں کی اٹھانے والا

خون رگ رگ میں جنابِ اسد اللہ کا ہے
زور ٹوٹے ہوئے بازو میں ید اللہ کا ہے

میں نے کیا جرم کیا ہے یہ بتا دو مجھ کو
دیکھو کہتا ہوں کہ اتنا نہ رلاؤ مجھ کو
حد ہوئی ظلم کی بس اب نہ ستاؤ مجھ کو
گرچہ صابر ہوں پہ غصے میں نہ لاؤ مجھ کو

غیظ آجائے تو پھر چرخِ بریں کو الٹوں
آستیں کو جو الٹ دوں تو زمیں کو الٹوں

بل جو ابرو پہ میں ڈالوں تہ و بالا ہو فلک — پر سمیٹے ہوئے کاندھوں سے بھی اڑ جائیں ملک
تیغ کھینچوں تو کرے چاند کو ماند اس کی جھلک — اس مہ نو کی چمک جائے ابھی شام تلک

زور باطل کا گھٹے دور اندھیرا ہو جائے
عصر تک حاکم شامی کا سویرا ہو جائے

بن کے بجلی یہ شرر دم جو گرے گی دم جنگ — پھر نہ آئے گی کسی شوم کو لڑنے کی امنگ
بھول جائیں گے بڑے سور وغا کا آہنگ — خاس آل نہ کہنا جو نہ کر دوں چورنگ

ناسمجھ ہو جو مجھے بیکس و مضطر سمجھو
بزم میں ختم رسل ، رزم میں حیدر سمجھو

وہی حیدر درِ خیبر کو اکھاڑا جس نے — ایک بالشت علم سنگ میں گاڑا جس نے
مرحب و عنترِ خود سر کو پچھاڑا جس نے — حق کی تعمیر سے باطل کو اجاڑا جس نے

شوکت و شان علی یاد ہر اک آن رہے
میں اسی شیر کا وارث ہوں ذرا دھیان رہے

یہ رجز سن کے جو تیر آئے ، تنے شاہِ زمن — یا علی کہہ کے جو لی باگ تو ہلنے لگا رن
شیر جھپٹا تو سرکنے لگے میداں سے ہرن — سن سے جب تیغ کھنچی زن سے ندا آئی بزن

چال اس کی تھی کہ اندھیاؤ میں فراٹا تھا
سنساتی جو چلی فوج میں سناٹا تھا

بت پرستوں کو وہ للکار کے دیتی تھی ندا — کیا مٹاؤ گے مرے ہوتے ہوئے نام خدا
دو زبانوں سے ہوں میں قائل توحید سدا — لا الہٰ کا یہ لا ہے مرے منہ پہ گویا

شوکتیں دیں کی ہیں جن سے وہ ہیں شانیں میری
جزو اعظم کلمے کا ہیں زبانیں میری

دو زبانیں مری کس طرح نہ ہوں لا کی مثال — دمبدم موت جو چلائی کہ لے رزقِ حلال
بولی میں مجھ سے بگڑ کر نہ کیا کر تو مقال — لا مرے منہ پہ لکھا ہے مری صورت ہے سوال

جس کا کھاتی ہے نمک اس پہ ہی جھلاتی ہے
تُو تو اے موت سدا میرا الش کھاتی ہے

جسم چھوٹا سا ہے اس کا مگر اوچھی بھی نہیں
سر جھکا ہے پہ کسی سے کبھی دبتی بھی نہیں
عرش سے آئی مگر چرخ سے اتری بھی نہیں
ہاتھ بھر کی ہے زباں اور کبھی کھلتی بھی نہیں
اس پہ باتیں وہ غضب کی ہیں کہ دل ملتی ہیں
دو زبانیں ہیں جو قینچی کی طرح چلتی ہیں

آگ لگتی ہے تو یہ خون میں تر جاتی ہے
سر اٹھائے جو کوئی اس پہ یہ گر جاتی ہے
جس پہ گر جاتی ہے وہ تیغ بھی کر جاتی ہے
حق سے پھر جاتے ہیں جو ان پہ یہ پھر جاتی ہے
رن میں گھر گھر کے برستی بھی ہے گھرتی بھی نہیں
کفر پہ چلتی ہے اور دین سے پھرتی بھی نہیں

ہے وہ ناگن کہ سناؤں سے دہلتی بھی نہیں
چال مستانہ ہے اور پاؤں سے چلتی بھی نہیں
ہر طرف پھرتی ہے قبضے سے نکلتی بھی نہیں
خود اڑاتی ہے دھوئیں اور کبھی جلتی بھی نہیں
کھیت رہتے ہیں عدو کھیت میں جب چلتی ہے
گل نہیں نخل نہیں پھولتی اور پھلتی ہے

رن میں ڈھاتی ہے ستم اہلِ جفا بھی یہ نہیں
قاضیِ حکم قدر بھی ہے قضا بھی یہ نہیں
سر بھی میداں میں اڑاتی ہے ہوا بھی یہ نہیں
سر بسر سرخ بھی ہے رنگِ حنا بھی یہ نہیں
واں جما رنگ یہ جوہر سے ادھر سبز ہوئی
سرخرو ہو گئے شبیر یہ سرسبز ہوئی

چرخ پر چڑھ کے چمکنا وہ کبھی عرش تلک
باغیوں سے کبھی لینا عوض باغ فدک
منہ بنا کر کبھی حلقوں سے زرہ کے چشمک
جھنجھناتی ہوئی جھنکار کہ بجلی کی کڑک
دو زبانیں جو ہیں اعجاز نمائی کی گواہ
مدعی دیکھ یہ دونوں ہیں صفائی کی گواہ

رنگ بالکل ہے سفید اس میں ہے پھر سبزیِ سم
اک طرف لام الف ایک طرف نون رقم
تین انگل کہیں چوڑائی کہیں ہے کچھ کم
چار بالشت کا قد گول بدن پشت میں خم
حکمرانی کا وسیلہ یہ ہر اک راج میں ہے
ستا ہے یہ تیغ کی جو تخت میں اور تاج میں ہے

چرخ پر فتح کے سانچے میں ڈھلی ہے تلوار　　شاہدِ زورِ خدا دادِ علی ہے تلوار
نہ جنوں سے نہ فرشتوں سے ٹلی ہے تلوار　　پرِ جبریلِ امیں پر بھی چلی ہے تلوار
جن سے دبتا تھا جہاں کب وہ اسے داب سکے
وہ چڑھے منہ پہ جو لوہے کے چنے چاب سکے

ایسی پھرتی سے یہ پھرتی ہے کہ دل ہیں بے آس　　تیغ ہی تیغ ہے سب کے پس و پیش و چپ و راس
اس طرح اڑتی ہے سر کاٹ کے یہ نیک اساس　　مرگِ عباس سے جس طرح سکینہ کے حواس
اس کی جھنکار اگر کان میں آجاتی ہے
گریۂ فاطمہ زہرا کی صدا آتی ہے

خوں کے قطرے جو ٹپکتے ہیں تو ہوتا ہے گماں　　تیغ بھی ماتمِ شبیر میں ہے خوں افشاں
رو کے کہتی ہے میں کیوں کر نہ ہوں غم سے گریاں　　شرم آتی ہے جو بانو کی میں سنتی ہوں فغاں
غم سے ٹوٹی ہے کمر رنج سے گریاں ہوں میں
قبرِ اصغر کی بنانے سے پشیماں ہوں میں

اللہ اللہ رے وفاداریِ تیغِ برّاں　　اس کے جوہر پہ بھی ہے موئے پریشاں کا گماں
بال کھولے ہوئے کرتی ہے یہ رو رو کے بیاں　　کیوں نہ سر کھول دوں زہرا کا بھی سر ہے عریاں
ننگے سر کیوں نہ پھروں موت کے بازاروں میں
سر کھلے جائیں گی سیدانیاں درباروں میں

آستیں الٹے ہوئے شاہ جو تھے محوِ وغا　　دور تک دشت میں اعدا کا کہیں نام نہ تھا
جس طرف مڑتے تھے میداں میں امامِ دوسرا　　دور سے کہتی تھیں فوجیں کہ دہائی مولا
روکیے تیغ ، رسولِ عربی کا صدقہ
رحم فرمائیے للّٰلہ علی کا صدقہ

سن کے پیہم یہ دہائی جو جلے قلب و جگر　　شہ نے اک آہ بھری روک کے شمشیرِ دوسر
یہ جو دیکھا تو پلٹ آئے وہ سارے لشکر　　گھر گیا زغۂ اعدا میں محمد کا پسر
اب مدد کو کوئی بیٹا نہ کوئی بھائی ہے
شاہ ہیں فرقتِ احباب ہے تنہائی ہے

بیکسی دیکھ کے یہ تیغ نے رو کر یہ کہا
میرے شہزادے نہ روکو مجھے میں تم پہ فدا
مجھ سے بی بی مری محشر میں کریں گی یہ گلا
تیرے ہوتے مرے بچے کا لہو رن میں بہا
وہ بھی کیا دوست ہے جو وقت پہ روپوش رہے
میں تو فریاد کروں رن میں تو خاموش رہے

مجھ کو محشر کی ندامت سے بچاؤ مولا
یہ ستمگار ہیں رحم ان پہ نہ کھاؤ مولا
ہے کمر ٹوٹی ہوئی دل نہ دکھاؤ مولا
کس طرح صبر کروں یہ تو بتاؤ مولا
قید سجاد پہ خاموش رہوں گی کیونکر
بیڑیاں پہنے ہوئے دیکھ سکوں گی کیونکر

[illegible] ذرا شان یداللہ دکھا دو ان کو
نام حیدر کا مٹایا ہے مٹا دو ان کو
یہ شقی گھر کو جلائیں گے جلا دو ان کو
قاتلِ اکبر و اصغر ہیں سزا دو ان کو
شہ نے فرمایا کہ اب سوئے جناں جائیں گے
حشر میں اکبر و اصغر کا عوض پائیں گے

ناگہاں سینۂ اقدس پہ وہ نیزہ کھایا
آہ کی خاک پہ تیورا کے گرے غش آیا
ہوش آیا تو شقی ظلم کا خنجر لایا
شہ نے آہستہ قسم دے کے یہ فرمایا
قتل کر کے مرا گھر بار جلانا بھائی
پر سکینہ کو طمانچے نہ لگانا بھائی

کہہ کے یہ جھک گئے سجدے میں شہادت پائی
بولی سر پیٹ کے ہمشیر کہ ہے ہے بھائی
آ کے عابد کے قریں چھوٹی بہن چلائی
ہائے کیا غش میں ہو بھیا کہ قیامت آئی
شمر آتا ہے طمانچوں سے بچاؤ مجھ کو
باپ مارے گئے دامن میں چھپاؤ مجھ کو

ناگہاں لوٹ مچی چھن گئی زینب کی ردا
دخترِ شہ کی طرف شمر بڑھا بہر جفا
سوئے در دیکھ کے یہ، دلبر عباس چلا
ماں نے دامن کو جو پکڑا تو جھٹک کر یہ کہا
آئے اب تک نہ سکینہ کی حمایت کے لیے
نہر پر جاتا ہوں بابا سے شکایت کے لیے

اماں جاں آپ کو کچھ یاد ہے بابا کا کلام
پانی لانے کو سدھارے تھے جو بازوئے امام
مجھ سے فرمایا تھا تم ہو علی اصغر کے غلام
رات دن ان کا جھلاتے رہو جھولا یہ ہے کام
یہ وصیت تھی مجھے، آپ مگر بھول گئے
نہر پہ جا کے سکینہ کو پدر بھول گئے

وہ جو ہوتے تو نہ لٹتا زر و زیور اماں
چھینتا کوئی شقی آپ کی چادر اماں
یوں گھڑکتے کسی بچے کو ستمگر اماں
کون لیتا مری شہزادی کے گوہر اماں
وہ نہ آئیں گے تو دادا کو بلا لاؤں گا
اُن کے شکوے کے لیے سوئے نجف جاؤں گا

سن کے بچے کی یہ باتیں دلِ مادر کانپا
دل جو بیوہ کا ہلا چرخ ستمگر کانپا
حشر جنت میں ہوا عرش منور کانپا
نہر پہ لاشۂ عباسِ دلاور کانپا
ماں پکاری کہ بجا تیرا گلہ ہے بیٹا
پر وہ مجبور ہیں سر تن سے جدا ہے بیٹا

تم مگر شمر سے کہہ دو نہ سکینہ کو ستا
ان کے بدلے مرا سر کاٹ لے او اہلِ جفا
چھین لے شوق سے ظالم مری اماں کی ردا
پر مرے باپ کی پیاری کو طمانچے نہ لگا
ان جفاؤں کی یہ معصوم کہاں عادی ہے
او شقی کس کو ستاتا ہے یہ شہزادی ہے

یہ سخن سن کے بعد جرأت و احساس تمام
بن گیا بڑھ کے سکینہ کی سپر وہ گلفام
شمرِ ظالم سے کیا تان کے سینہ یہ کلام
اب ستائے کوئی بی بی کو تو دیکھے یہ غلام
ہر ستم ان کے عوض سہنے کو تیار ہوں میں
ہوں وفادار کا فرزند وفادار ہوں میں

بس قلم روک لے اے مرثیہ گوئے شبیر
غش نہ ہو جائیں عزادار امام دلگیر
شکر کر اب کہ بہ افضالِ خداوندِ قدیر
باپ دادا کی مجھے مل گئی اصلی جاگیر
اس عطا کا سن تصنیف یہ لکھا قائم
آفریں خوب ہے یہ مرثیہ پہلا قائم

---

۲۳ ۱۹ء